تعلیم برائے تعمیرِ فکر[1]

حکومتِ پاکستان نے تعلیم کی نئی پالیسی وضع کرنے کا اعلان کیا ہے۔ اس ضمن میں ہم مندرجہ ذیل گزارشات حکومت کی توجہ میں لانا چاہتے ہیں:

جب کوئی زندہ قوم نظامِ تعلیم کی تشکیل کا عزم کرتی ہے تو وہ سب سے پہلے اُن مقاصد کا تعیّن کرتی ہے جن کے حصول کے لیے اُسے اپنی نوخیز نسلوں کی تربیت کرنا ہوتی ہے۔ مقاصد کے تعیّن کے بغیر تعلیم کا پُورا عمل بیکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ ممالک جن میں جمہوری افکار و نظریات کو پروان چڑھانا مقصود ہو ان میں پُورا نظامِ تعلیم اس نہج پر مرتب کیا جاتا ہے کہ نئی نسل کے دل و دماغ میں شخصی آزادی اور جمہوری اقدار کا نقش ثبت ہو اور وہ جمہوری عمل کی تربیت حاصل کر سکیں۔ اسی طرح اشتراکی ممالک میں اس بات کا خاص طور پر اہتمام کیا جاتا ہے کہ بچوں کے دل و دماغ سے مذہبی اقدار یکسر محو ہوں اور اُن کی جگہ اشتراکی عقائد و تصوّرات مضبوطی کے ساتھ جڑ پکڑ سکیں تاکہ وہ جوان ہو کر جب زندگی کے عملی میدان میں اُتریں تو اشتراکی نظام کے پُرجوش داعی اور علمبردار کی حیثیت سے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔ اس سلسلے میں یُوں تو متعدد مثالیں دی جا سکتی ہیں مگر ہم یہاں صرف دو مثالیں پیش کرتے ہیں۔

بعض سوشلسٹ ممالک کے نرسری اور کنڈر گارٹن سکولوں میں کسی بچّے کو کھیلنے کے لیے کوئی ایسا کھلونا نہیں دیا جاتا جس میں اس کے ساتھ کوئی دوسرا ساتھی شریک نہ ہو سکے۔ ننھے مُنّے بچّوں کے معصوم سے کھیلوں میں بھی اس بات کا پُورا خیال رکھا جاتا ہے کہ بچّے کے اندر انفرادیت کے احساسات اُبھرنے نہ پائیں بلکہ وہ اجتماعی احساسات سے پُوری طرح بہرہ مند ہو۔ اشتراکی ممالک میں خدائے لم یزل پر ایمان کی بنیادیں کس طرح کھوکھلی کی جاتی ہیں اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ بہت سے اشتراکی ممالک میں انقلاب کے بعد سب سے

---

[1] پس نخستیں بایدش تطہیرِ فکر
بعد ازاں آساں شد تعمیرِ فکر (اقبالؒ)

پہلا کام یہ کیا گیا کہ نفسیاتی ہتھکنڈوں کے ذریعے کم سن بچوں کے ذہنوں میں خدا کے تصور کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی۔ خدا کا تصور انسان کا فطری اور بنیادی تصور ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے نقوش ماحول اور تربیت کی مناسبت سے شوخ اور دھندلے ہوتے رہتے ہیں۔ مگر اس تصور کی نہ تو تخلیق کی جاسکتی ہے اور نہ اُسے بیخ و بُن سے اکھاڑا جاسکتا ہے۔ مذہب دشمن قوتیں اس سلسلے میں اس تصور کو بگاڑنے کی کوشش کرتی ہیں تاکہ خدا پر ایمان کسی فرد اور معاشرے کی عملی زندگی پر کوئی نمایاں اثرات مترتب نہ کرسکے۔

نفسیات کے جن ماہرین نے مذہب کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے اور انہوں نے ایمان باللہ کی تحلیل کرتے ہوئے اس کے اجزائے ترکیبی کا کھوج لگایا ہے، وہ قریب قریب اس بات پر متفق ہیں کہ کسی بچے کے ذہن میں خدا کا تصور سب سے پہلے صفتِ ربوبیت کے ساتھ شعور کی سطح پر اجاگر ہوتا ہے۔ ہمارے ایک دوست نے جو کیوبا میں اشتراکی انقلاب برپا ہونے کے وقت عالمی ادارۂ خوراک و زراعت کے تحت ایک ملازمت کے سلسلے میں وہاں مقیم تھے، بتایا کہ وہاں سب سے پہلے خدا کی ربوبیت کے تصور کو بگاڑنے ہی کی کوشش کی گئی اور اس غرض کے لیے ابتدائی جماعتوں کے اساتذہ اور اُستانیوں نے عجیب و غریب نفسیاتی حربے استعمال کیے۔ ان میں ایک حربہ بطور مثال یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ اُستانی جماعت میں داخل ہوتے ہی بچوں سے کہتی، خدا سے سیب کا مطالبہ کرو۔ بچے یک زبان ہو کر پکارتے "اے ہمارے خدا ہمیں سیب دے"۔ وہ اپنی اس دُعا کو بار بار دُہراتے مگر تکرارِ دُعا کے بعد جب اُنہیں کوئی سیب نہ ملتا تو ان کی اُستانی انہیں کہتی "پیارے بچو! تم نے کئی بار خدا سے سیب طلب کیا مگر تمہیں سیب نہیں ملا"۔ اس طرح ان کے اندر احساسِ محرومی اور خدا سے مایوسی پیدا کرنے کے بعد اُستانی ان سے کہتی "پیارے بچو! اب یہ کہو محترمہ اُستانی تو ہمیں سیب دے"۔ بچے اس کے ارشاد کے مطابق جونہی اپنا یہ مطالبہ اُستانی کے حضور میں پیش کرتے وہ اپنی میز کے نیچے چھپائے ہوئے سیبوں کے ٹوکرے سے ایک ایک سیب نکال کر تمام بچوں کو بانٹ دیتی اور کہتی "اگر کوئی خدا ہوتا تو وہ تمہیں ضرور سیب دے دیتا۔ مگر تم نے دیکھ لیا کہ وہ کہیں بھی نہیں ہے"۔ غرض اس نفسیاتی ہنرمندی اور چابکدستی کے ساتھ بچوں کے ذہنوں میں یہ تصور جاگزیں کیا جاتا کہ جس خدا کو کائنات کا خالق کہا جاتا ہے وہ محض ایک واہمہ ہے۔ کیونکہ وہ بچوں کی پکار کو نہ تو سنتا ہے اور نہ ان کی معمولی سی احتیاج کو پورا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ ان حربوں سے بچوں کا ذہن قدرتی طور پر خدا سے بیزار ہونا شروع ہوتا ہے اور وہ اس انداز پر سوچنے لگتے ہیں کہ آخر ایسے بیکار خدا، پر ایمان رکھنے کا کیا فائدہ، کیوں نہ ایسے بے حس اللہ کی جگہ کسی ایسی طاقتور ہستی کی بالادستی اور قدرت پر اعتماد کر کے زندگی کا سفر شروع کیا جائے جو

(باقی صفحہ پر)